

جناب سیف اللہ خالد صاحب

اراکن اور برما میں مسلمانوں کی حالت زار

برما (میانمار) جنوبی ایشیا کا ایک اہم ملک ہے۔ اس کی آبادی چار کروڑ کے لگ بھگ ہے، جس میں آدھی (اکثریت) برمن نسل اور باقی مختلف نسلوں اور قبیلوں پر مشتمل ہے۔ مذہبی لحاظ سے برمن بودھ مت کے پیرو ہیں۔ دوسرا بڑا مذہب برما میں اسلام ہے جسکے ماننے والے کم و بیش پورے ملک میں پائے جاتے ہیں، مگر شمال مغربی سرحدی ریاست ”اراکن“ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ان کے علاوہ ملک میں عیسائی، ہندو اور لامذہب یا مظاہر پرست و حشی قبائل بھی موجود ہیں۔ تیرہویں صدی عیسوی میں برما پر منگولوں نے قبضہ کر لیا تھا، پھر اس پر شان خاندان کا تسلط ہوا۔ ان سب کا تعلق چین سے تھا۔ سولہویں صدی عیسوی تک برما پر ان کی حکومت رہی۔ انگریزوں نے برما کو بتدریج عین جنگوں کے نتیجے میں فتح کیا تھا جو ۱۸۲۳ء سے شروع ہوئیں۔ ۱۸۸۳ء تک برما مکمل طور پر برطانوی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ اس وقت تک انگریز برصغیر پر بھی پورے قابض ہو چکے تھے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو کچلنے کے بعد اب کوئی طاقت ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے والی باقی نہ رہی تھی۔ انگریزوں نے برما کو ہندوستان کا حصہ بنادیا تھا۔ وائسرائے ہند برما پر بھی حکومت کرتا تھا، رنگون میں اس کا ایک نمائندہ ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۷ء میں برما کو انتظامی طور پر ہندوستان سے الگ کر دیے جانے تک جاری رہا۔ اور جب ۱۹۴۷ء میں انگریز ہندوستان سے جانے پر مجبور ہو گئے تو ۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو انہوں نے برما کو بھی آزادی دے دی۔ برما میں مسلمانوں کی آمد اسی دور میں شروع ہو گئی تھی جب وہ تجارت کی غرض سے عرب سے ہندوستان اور چین میں پہنچے۔ اس طرح کچھ عرب تاجر برما میں بھی وارد ہو گئے تھے۔ برما میں بسنے والے سارے مسلمان عربی النسل نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق ترکوں، افغانوں، پشتونوں اور ایرانیوں سے بھی ہے علاوہ ازیں ہندوستان سے بھی ہزاروں مسلمان کاروبار اور ملازمت کے لئے برما میں وارد ہوئے۔ نصف صدی تک برما ہندوستان کا ایک انتظامی صوبہ رہا ہے، اس لئے ہندوستان اور برما میں آمدورفت میں کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی۔ رنگون، مانڈے اور دیگر تمام شہروں میں برصغیر کے ہر صوبے اور علاقے کے مسلمانوں کی اکثریت یا قابل لحاظ آبادی رہی ہے۔ قصبات اور دیہات میں

قدیم بری مسلمان یا مخلوط النسل مسلمان جا بجا بڑی تعداد میں بکھرے ہوئے تھے۔ انگریزوں سے ملک کی آزادی کی تحریک میں مسلمان ہمیشہ صفِ اول میں اور جان و مال کی قربانی میں بھی وہ سب سے آگے رہے۔

آزادی ملی تو اس کی نعمتوں میں برمن بودھ اکثریت نے اپنے ہم وطن مسلمانوں کی شراکت کو گوارا نہ کیا۔ ان کے اخراج کی مہم سرکاری اور عوامی سطح پر شروع کر دی گئی۔ قتل عام، جلاؤ گھیراؤ اور مارو اور بھگاؤ کے منظم منصوبوں پر عمل ہونے لگا جس کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمان تو جہاں سے آئے تھے بیشتر واپس چلے گئے، مگر وہ قدیم عربی، ایرانی اور ترکی نسل مسلمانوں کی باقیات کہاں باقیں؟ جو صدیوں سے اسی سرزمین میں رہتی اور بستی چلی آ رہی ہیں؟ اس طرح مخلوط النسل یا خالص بری مسلمانوں کے لئے بھی دنیا میں کہیں اور جائے پناہ نہیں۔ لہذا ان سے مطالبہ کیا جانے لگا کہ: ”اگر تم کو اس ملک میں رہنا ہے تو اپنا مخصوص مذہب اور فکری ترک کر کے اکثریتی دھارے میں شریک ہونا پڑے گا۔ اپنے عربی نام بدل کر بری نام رکھنے ہوں گے۔ عورتوں کا پردہ ختم کرنا ہوگا اور یہ دن رات میں پانچ مرتبہ عبادت کے نام پر مسجد میں جمع ہونے اور قیمتی وقت کو ضائع کرنے کی عادت ختم کرنی ہوگی۔ ملک کو اقتصادی ترقی کی ضرورت ہے جس کے لئے ہفتہ میں ایک دن ہماری طرح کچھ دیر کی عبادت کافی ہے۔“ اسی طرح حج پر یہ کنکری پابندی لگادی گئی کہ اس سے ملک کا قیمتی زر مبادلہ ضائع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ عالمی ریکارڈ ہے اور سعودی وزارت حج نے ۱۹۷۳ء تا ۱۹۸۲ء بیس سال تک ہر سال موسم حج کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ ”برما سے ایک بھی مسلمان حج کرنے نہیں آیا۔“ اب گذشتہ چند برسوں سے گنتی کے مخصوص افراد کو سفر حج کی اجازت مل رہی ہے وہ بھی اس شرط اور غرض کے ساتھ کہ جانے والے حج کے عالمی اجتماع میں دوسرے مسلمانوں کو یہ باور کرائیں گے کہ ”برما میں مسلمانوں کو ہر طرح کی معاشی و مذہبی آزادی حاصل ہے“ سب وہاں چین کی بانسری بجا رہے ہیں اور امن اور خوشحالی کے سمندر میں غوطے لگا رہے ہیں۔“ ان دد رس منظم اور موثر اقدامات اور منصوبہ بند عمل کے نتیجے میں برما کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ آزادی کے بعد برما میں مسلمانوں کی پہلی نسل عبداللہ عرف ”کھن مونگ“ بنی۔۔۔۔۔ دوسری نسل ”چھن مونگ عرف ”عبداللہ“ ہوئی اور اب عرف سے بھی محروم ہو کر صرف ”کھن مونگ“ چھن مونگ رہ گئی ہے، جسے نہ اپنے دین کا پتہ ہے اور نہ اپنی تاریخ اور اجداد کی خبر۔ یوں برما میں مسلمان نام کو بھی باقی رہنے نہیں دیے گئے“

اراکان کا مسئلہ البتہ باقی برما سے مختلف ہے۔ اس کی مثال ”کشمیر“ کی ہے۔ تاریخی، تہذیبی اور جغرافیائی ہر لحاظ سے یہ ایک الگ خطہ ہے۔ برما کے ساتھ اراکان کا کوئی زمینی اتصال نہیں ہے۔ اراکان یوٹا نامی مشہور و بلند سلسلہ کوہ دونوں کے مابین حد فاصل ہے۔ اراکان سابق مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) سے متصل بیس ہزار مربع میل کا ایک ایسا خطہ ہے جس پر انگریزوں نے ۱۸۲۳ء میں قبضہ کیا تھا۔ یہ ایک مسلم سلطنت تھی۔ تقسیم کے طے شدہ اصول کے تحت اسے یا تو پاکستان کا حصہ بننا چاہیے تھا یا پھر انگلستان ریاست انگریز اپنی مشہور حکمت عملی ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ (DIVIDE AND RULE) جاتے جاتے بھی دکھا گئے اور اراکان کو برما کے حوالے کر گئے۔ سوشلزم کے نام سے بدنام زمانہ تشدد دیک جماعتی فوجی حکومت تو برما میں بہت بعد میں جنرل نے ون ۱۹۴۷ء میں لے کر آیا تھا۔ مگر اراکان تو نام نہاد آزادی کے روز اول سے مسلمانوں کے لئے ایک ایسا جہنم اور مقتول بن گیا ہے کہ جس کی دیواریں کسی کو نظر تو نہیں آتی ہیں، مگر کوئی فرد بشر باہر سے اندر اور اندر سے باہر اپنی مرضی سے آسکتا ہے نہ جاسکتا ہے۔ گویا اہل اراکان کو.....

ترپے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے۔ گھٹ کے چراؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے رنگوں میں حکومت سیاستدانوں کی ہو یا فوج کی یا ملی جلی، مسئلہ اراکان پر سب یک زبان اور متفق الرائے ہیں۔ اور وہ ہے ”اراکان کے مسلمانوں کا ہر قیمت پر صفایا اور خاتمہ“ اس مقصد کے حصول کیلئے گونا گوں، مخفی اور طویل المیعاد منصوبے بنائے جاتے ہیں اور نہایت صبر، حکمت اور استقلال کے ساتھ عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے تمام ممکنہ وسائل اور ہمہ پہلو ذرائع بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ حسب ضرورت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق مسلمانان اراکان کا چھوٹے یا بڑے پیمانے پر قتل عام کیا جاتا ہے۔ ان پر تعلیم گاہوں کے دروازے بند ہیں، بلا معاوضہ جبری بیگار اور مشقت ان سے لی جاتی ہے۔ طبی سہولت نام کی کوئی چیز ان کیلئے نہیں ہے، مسلم بستیوں میں مصنوعی وبا اور بیماریاں پھیلائی جاتی ہیں۔ تھوڑے تھوڑے پھر کبھی واپس نہ آنے کی شرط پر مسلمانوں کے لئے غیر قانونی اخراج اور ترک وطن کے لئے دروازہ کھول دیا جاتا ہے مگر باب الداخلہ نہایت سختی کے ساتھ بند ہے جو ایک بار نکل گیا سو نکل گیا، واپسی کی صورت کوئی نہیں ہے۔ ایسی ہر کوشش کا انجام صرف موت ہے۔ یوں گزشتہ پچاس برسوں میں تقریباً بیس لاکھ مسلمانوں نے نجات حاصل کی جا چکی ہے۔ یہ محض اندازہ ہے۔ مستند اعداد و شمار دستیاب نہیں۔ تاہم ان سب حربوں اور کوششوں کے باوجود اتنے ہی مسلمان تاحال اراکان میں باقی رہ گئے ہیں۔ ہر چند سال

کے بعد بری حکومت کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا ہے تو وہ مسلمانوں کے خلاف فوجی کارروائی شروع کر دیتی ہے۔۔۔۔۔ قتل عام، اندام اور آتش زنی پر مبنی اقدامات کے سبب دو، دو، عین، عین لاکھ مسلمان بیک وقت جلاوطنی پر مجبور ہو جاتے ہیں، مگر جائیں تو جائیں کہاں؟ اپنے پڑوسی مسلم ملک بنگلہ دیش میں جا کر پناہ لیتے ہیں۔ وہاں ان پر جو کچھ گزرتی ہے اور جو سلوک ہوتا ہے اس سے ایک دنیا واقف ہے اور اس کا بیان ہمارے آج کے موضوع سے خارج ہے۔ مختصراً یہ کہ ان پناہ گزینوں کے بارے میں بنگلہ دیشی عوام اور حکومت کا تبصرہ ہوتا ہے کہ ”یہ غیر ملکی گھس پیٹھے زیادہ کمانے اور عیش کرنے کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہماری اس جنت ارضی میں آگئے ہیں اور ہمیں میسر نعمت خداوندی میں زبردستی حصہ بٹانا چاہتے ہیں“۔ ان پناہ گزینوں کے خلاف ان کے بنگلہ دیشی مسلمان بھائی مظاہرے کرتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں، جلے کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جلد سے جلد ان کو واپس بھگایا جائے۔ بہت سی سیاسی اور دینی جماعتیں اسے ایک انتخابی ایٹو بھی بنا لیتی ہیں اور برسرِ اقتدار آتے ہی ان پناہ گزینوں سے چھنکارا دلانے کے وعدے پر عوام کے ووٹ حاصل کرتی ہیں۔ اس دوران میں بنگلہ دیش کے قانون نافذ کرنے والے ادارے اور عوام بھی اپنے پناہ گزین اور اراکانی مسلمان بھائیوں کی وقت فوقتاً مناسب خاطر تواضع میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ ٹھیک ٹھاک خبر لیتے ہیں۔ بری حکومت کا دعویٰ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ ”یہ سب ننگے بھوکے بنگلہ دیشی ہیں جو غربت و افلاس سے مجبور ہو کر چوری چھپے اراکان میں آگھستے ہیں اور یہاں بننے والی دودھ اور شہد کی نروں کو آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔ روک تھام پر یہ لوگ خود چلے جاتے ہیں ورنہ ہم انہیں باعزت طریقے سے واپس کر دیتے ہیں“۔ اقوام متحدہ، یو این لیج سی آر، ایمنسٹی اور اسی طرح کی بین الاقوامی تنظیمیں اور حقوق انسانی کے ادارے کبھی تو برا کی مذمت کرتے ہیں اور کبھی بنگلہ دیش کے غیر انسانی رویے اور غیر ہمدردانہ اقدامات پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اصل میں ہے کیا؟ اس پر کسی کی توجہ ہے اور نہ اس کے مستقل حل سے کسی کو کوئی دلچسپی ہے۔ کوئی ان پناہ گزینوں سے نہیں پوچھتا ہے کہ:

(۱) وہ کون ہیں؟ (۲) کہاں سے آئے ہیں؟ (۳) کیا تکلیف ہے؟ (۴) کیا چاہتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانانِ اراکان کو گزشتہ نصف صدی کے عرصے میں برما نے اس قابل رہنے ہی نہیں دیا ہے کہ وہ اپنا کیس مدلل طریقے سے طے انداز میں کسی بین الاقوامی فورم میں پیش بھی کر سکیں۔ پے درپے سانحات اور انقلابات نے ان کو خود اعتمادی، عزت نفس، قومی شخص اور خودداری کے احساس سے کلیتاً عاری اور بیگانہ کر دیا ہے۔ ان میں جہالت اور ناخواندگی عام ہے،

اپنے انسانی حقوق کا بھی کوئی شعور نہیں ہے۔ ان کے دکھ درد اور مسئلہ کی ترجمانی کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ جو باصلاحیت تھے انہیں برمانے ختم کر دیا یا پھر میزبان پناہ دہندہ ملک میں آنے کے بعد اس کی انتظامیہ نے ایسے لوگوں کا موثر علاج شروع کیا تو وہ ادھر ادھر چھپ گئے، منتشر اور غائب ہو گئے۔ بنگلہ دیش کے اپنے مفادات، مسائل اور اپنی مشکلات اور ترجیحات ہیں، اسے کسی درجہ میں بھی مسلمانان اراکان کی حالت زار سے کوئی ہمدردی اور ان کے وجود اور بقاء کے مسئلے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ حق تو یہ ہے کہ پناہ گزینوں کی آمد میں بھی اس کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہے، یہ بین الاقوامی امداد کا ایک اہم ذریعہ اور بہت سے بنگلہ دیشی باشندوں کی بے روزگاری کا علاج ہے، کبھی کبھار کا اوپلا تو محض ”سرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز“ کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح سیاسی، دینی، فلاحی جماعتوں کا بھی انہیں بیس کے فرق کے ساتھ یہی حال ہے۔ مسلمانان اراکان کی داستان قریب المٹم نظر آتی ہے۔ ان کی تحریک مزاحمت یا مسلح جہاد کی بھی دنیا میں کسی ملک اور قوم نے تائید اور حمایت نہیں کی، نہ خفیہ نہ علانیہ۔ پچاس سے زیادہ آزاد مسلم ملکوں کے حکمرانوں نے لاطعلقی اور چپ سادھ کر بالواسطہ بری استبداد کو تقویت پہنچائی ہے۔ اس دور میں ایک حکومت اور فوج کے ساتھ نہتے انسان کب تک مقابلہ جاری رکھ سکتے ہیں؟ افسوس ہمسایہ مسلم ملک سے تعاون نو دور کی بات ہے، الٹا..... مجاہدین کے پاس کہیں کوئی ٹھکانہ اور جائے قرار نہیں ہے، دونوں طرف سے ان کے خلاف کارروائی کی جاتی ہے۔ اسکے باوجود انہوں نے ہتھیار نہیں ڈالے ہیں۔ اراکان کے پہاڑوں اور جنگلوں میں سرکف بے سروسامان مصروف جہاد ہیں اور بے مثل قربانیاں دے رہے ہیں۔ بلاشبہ وہ قابل مبارکباد ہیں، مگر کب تک؟ تاریخ میں بہت سی قوموں کا ذکر ملتا ہے جو اب کہیں نہیں پائی جاتیں، مٹ گئیں اور ختم ہو گئیں۔ اگر دنیا نے اور بالخصوص آزادی کی نعمتوں سے ہمکنار امت مسلمہ اور اسکے حکمرانوں نے لاطعلقی اور چشم پوشی کی یہ پالیسی برقرار رکھی تو فرق صرف اتنا ہوگا کہ اس بد قسمت قوم کا تاریخ میں بھی کوئی تذکرہ نہ ہوگا۔ بیرون اراکان مسلمان وقت کے ساتھ ساتھ منتشر ہو کر بکھر جائیں گے اور اندرون اراکان باقی ماندہ مسلمان منظم نسل کشی سے جو بچ جائیں گے وہ تہذیبی اعداد کا شمار ہو کر رفتہ رفتہ بودھ مذہب اور ثقافت میں رنگ جائیں گے۔ بالکل بری مسلمانوں کی طرح (اللہ نہ کرے) اراکان میں بھی اندلس اور اسپین کی تاریخ دوہرائی جائے گی۔ حالات و واقعات اور شواہد و آثار کی روشنی میں یہ ہمارا خیال ہے مگر قضا و قدر کے فیصلے تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور مستقبل میں کیا کچھ ظہور میں آنے والا ہے یہ وہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف مسلمانان اراکان کی بلکہ پورے عالم اسلام کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)۔

